© rasailojaraid.com

آنرا که تن بآب و هوای ری آورند — دل آب و جان هوا شداز آب وهوای ری
نیک آمدم بری بد من بین بجای من — ای کاش دائمی که چه کردم بجای ری
ری در قفای جان من افتاد و من بجهد — جان می برم که تیغ اجل در قفای ری
دیدم سحر گہی ملک الموت را کہ پای — بی کفش می گریخت ز دست وبای ری
گفتم ''تونیز؟'' ''گفت'' چو ری دست بر گشاد — او یحییٰ ضعیف چه باشد بپای ری''

ان قطعات و قصائد کے علاوہ خاقانی کے یہاں حاجیوں ، مقلدوں ، بے ہنروں کی ہجو اور شکایت زمانہ اور مذمت اقران بھی اشعار میں ، جنھیں طوالت کے خوف سے نظر انداز کر دیا گیا ہے -

کتابیات

۱- قرآن کریم
۲- خاقانی شروانی ، دیوان مرتبہ دکتر ضیاء الدین سجادی ، تہران
۳- ایضاً ، مرتبہ حسین نخعی ، چاپ پیروز ، تہران
۴- خاقانی : تحفۃ العراقین ، مرتبہ دکتر یحییٰ قریب ، تہران ۱۳۳۳ش
۵- محمد بن علی . . . الراوندی ، راحتہ الصدور و آیتہ السرور ، مرتبہ محمد اقبال ، تہران ۱۳۳۳ش
۶- صفا : دکتر ذبیح اللہ ، تاریخ ادبیات در ایران ، جلد اول ، جلد دوم ، تہران ۱۳۳۸ ، ۱۳۳۶ش
۷- سعدی شیرازی ، گلستان ، مرتبہ محمد علی فروغی ، تہران ۱۳۳۸ش
۸- براؤن ، ای - جی ، تاریخ ادبیات ، ایران (انگریزی) فارسی ترجمہ از فتح اللہ مجتبائی (از فردوسی تا سعدی) ، تہران ۱۳۴۲ش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار

مقالات اردو جشن اقبال صدی پر ایک نظر

اگر یہ کہا جائے کہ برصغیر میں یہ صدی اقبال کی صدی ہے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ کیونکہ جتنا تصنیفی کام اس صدی میں علامہ اقبال پر ہوا ہے اور جس کا سلسلہ ابھی جاری ہے، اتنا کسی اور مفکر، شاعر یا ادیب پر نہیں ہوا۔ اس سلسلۂ جاری میں شرکت ایک فرض بھی ہے اور سعادت بھی۔ آج کی تقریب میں میرے پیش نظر ان اردو مقالات کا مجموعہ ہے جو جشن اقبال صدی کے موقع پر پڑھے گئے اور جنہیں شعبۂ اقبالیات جامعہ پنجاب نے حال ہی میں شائع کیا ہے۔

جشن اقبال صدی کا آغاز دسمبر ۱۹۷۳ء میں مجلس ترقی ادب لاہور کی مطبوعات سے ہوگیا تھا اور چار سال بعد دسمبر ۱۹۷۷ء میں اس سلسلے کی بین الاقوامی علامہ اقبال کانگرس کا انعقاد لاہور میں مرکزی حکومت کی سرپرستی اور جامعہ پنجاب کے اہتمام میں ہوا تھا۔ اس امر سے اکثر لوگ آگاہ ہیں کہ اس کانگرس کا ڈول کن حالات میں ڈالا ہوگیا اور دن بدلے ہوئے حالات میں اس علمی میلے کا انعقاد ہوا۔ اس میں کئی ملکوں کے مندوبین شریک تھے۔ اس میلے کا ایک اہم پہلو یہ تھا کہ اس میں علامہ اقبال کی شخصیت اور فکر و فن کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی گئی اور شاعر مشرق کے حضور مشرق و مغرب کے کئی دانشوروں نے عقیدت و تحسین کے گلہائے رنگا رنگ پیش کر کے اقبال کے کلام و پیام کی آفاقی قدروں کا اعتراف کیا۔ زیر بحث مجموعۂ مضامین اردو بھی اسی علمی میلے کی یادگار ہے۔

جیسا کہ معمول ہے اس قسم کی علمی کانفرنسوں میں مختلف موضوعات پر اہل قلم اپنی اپنی پسند کے مضامین لکھتے ہیں اور پھر ان مضامین کی علمی، تحقیقی سطح بھی مختلف مصنفین کی استعداد اور بصیرت کے مطابق ہوتی ہے۔ اس لیے اس قسم کے مضامین کا جب کوئی مجموعہ مرتب کیا جاتا ہے تو اس میں موضوعات اور اسالیب کا بھی خاصا تنوع ہوتا ہے۔ گویا ایسے مجموعے کو ہم مختلف قسموں اور رنگوں کے پھولوں کا ایک ایسا گلدستہ کہہ سکتے ہیں جس کی خوبصورتی اس کے انگ الگ پھولوں میں اتنی نہیں ہوتی جتنی ان پھولوں کے مجموعی جمالیاتی انداز میں ہوتی ہے۔ موجودہ تالیف کی مجموعی صورت حال کو ہم بلاخوف تردید سلسلۂ اقبالیات میں ایک اہم اضافہ قرار دے سکتے ہیں۔

اس مجموعہ مضامین کے یوں تو سبھی مضمون اپنے اپنے موضوع پر اہم ہیں اور محنت سے لکھے گئے ہیں مگر کم از کم دو مضمون ایسے ہیں جو بڑے وسیع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطالعے اور مسلسل غور و فکر کا حاصل کہے جا سکتے ہیں ۔ ایک پروفیسر آل احمد سرور کا مضمون ''جدید کاری کے متعلق اقبال کا رویہ'' اور دوسرا محمد احمد خان کا مضمون ''پاکستان ۔ ۔ ۔ اقبال کے تصور خودی کی روشنی میں'' ہم ان مضامین پر تبصرہ بعد میں کریں گے ، پہلے اس مجموعے کے دوسرے مضامین کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے ۔

مجموعے کا افتتاحی مضمون بزرگ میاں امیرالدین کی چند یادداشتوں پر مشتمل ہے ۔ اسے تبرک سمجھ لیجیے ۔ دوسرا مضمون ''اقبال اور میراث اسلام'' پروفیسر ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کا ہے جس میں عہد اسلام کی چند یادگار مساجد کے حوالے سے اقبال کا نقطۂ نظر پیش کیا گیا ہے جس میں انھوں نے مسلمانوں کے فن تعمیر کے حوالے سے ملت اسلامیہ کا تہذیبی تشخص پیش کیا تھا ۔

ڈاکٹر صدیق شبلی نے ''اقبال اور غزالی'' پر اپنے مختصر مقالے میں اس دقیق موضوع کے چند خطوط کی نشاندہی کی ہے ۔ شعری افکار میں اقبال نے رومی کو اپنا مرشد بنایا ہے مگر الٰہیات اسلامی کی تشکیل جدید میں یقیناً ان کے پیش نظر غزالی کی احیائے العلوم رہی ہے ۔ اقبال اور رومی کا موضوع اقبالیات کے سلسلے میں خاصا مقبول رہا ہے مگر اقبال اور غزالی کے ذہنی و فکری روابط پر بہت کم توجہ کی گئی ہے ۔ شاید اس لیے کہ غزالی کی کثیر تصنیفات کا مطالعہ اور اس کا مقابلہ اقبال کی نظم و نثر سے بڑا جوکھوں کا کام ہے۔ بہرکیف ڈاکٹر صدیق شبلی کا مقالہ اس اہم اور وسیع موضوع پر کام کرنے کی ضرورت کا احساس دلاتا ہے ۔

خطبات اقبال میں تصور زمان و مکان کے ضمن میں فارسی کے صوفی شاعر عراق کے خیالات کا ذکر آیا ہے اور اقبال نے اپنے خطوط میں ان کے رسالہ ''غایتہ المکان فی درایتہ الزمان'' کا حوالہ دیا ہے ۔ مولانا امتیاز علی خان عرشی نے اس سلسلے میں رضا لائبریری رام پور کے ایک رسالے سے خطبات کی متعلقہ عبارات پیش کر کے یہ استدلال کیا ہے کہ ان کی دانست میں علامہ اقبال نے عراقی کے نام سے جو مطالب بیان کیے ہیں وہ غالباً اسی رسالے سے ماخوذ ہیں اور ان کے نزدیک یہ رسالہ تاج الدین محمود بن خداداد اشہی کا ہے ۔ اقبالیات کے سلسلے میں یہ ایک ضمنی مسئلہ ماخذ کی صحت سے متعلق ہے ۔

ڈاکٹر وزیر آغا کا مضمون خطبات اقبال کے حوالے سے خدا شناسی کے لیے عارفانہ تجربے کے موضوع پر ہے اور انھوں نے اپنے دلآویز اسلوب میں اس فکر انگیز موضوع پر روشنی ڈالی ہے ۔ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے اقبال کی ابتدائی تحقیقی کاوش ''فلسفہ عجم'' کے ضمن میں بعض متعلقہ معلومات اپنے مقالے میں فراہم کی ہیں ۔ محمد ایوب قادری نے ''علامہ اقبال ۔ ۔ ۔ خانقاہ شکن صوفی'' کے موضوع بحث

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو لیا ہے جو اسرار خودی کی اشاعت اول کے ساتھ ہی ایک معارضے کی صورت اختیار کر گیا تھا ۔ حقیقت میں اقبال تصوف پر مائل اور شریعت کے قائل تھے ۔ ایوب قادری نے اس نازک اختلافی موضوع پر حقیقت افروز بحث کی ہے ۔ اس کے ساتھ ہی امیر حمزہ شنواری نے اقبال اور وحدت الوجود کے نازک تر اختلافی مسئلے پر قلم اٹھایا ہے جسے اقبال اسرار و رموز میں رد کر چکے تھے ۔ مگر بعد میں وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ باریک مسئلہ عوام کا نہیں خواص کا ہے اور پھر اس کا تعلق قال سے نہیں حال سے ہے ۔ اس لیے وہ اس مسئلے کو موضوع بحث بنانے سے اجتناب کرنے لگے تھے ۔ امیر حمزہ شنواری کا مضمون ان امور پر خوبصورتی سے روشنی ڈالتا ہے ۔

ڈاکٹر محمد بشیر حسین نے ''اقبال کی حکمت تبلیغ'' میں اقبال کی شخصیت و کردار کے ایک بہت اہم رخ پر توجہ مرکوز کی ہے ۔ برصغیر میں موجودہ صدی کا تیسرا عشرہ تحریک خلافت اور ترک موالات کے اختلال کے بعد بڑی نازک صورت حال سے دو چار ہوا جب ہندو قوم کے زہریلے تعصب نے شدھی اور سنگٹھن کے روپ میں مسلمانوں کے ملی وجود پر شدید حملہ کیا تھا ۔ اس صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے لیے میر غلام بھیک نیرنگ اور مولوی محمد الیاس نے تبلیغی مشن بنا کر مسلسل کام کیا ۔ ان حضرات کو علامہ اقبال کی بھرپور تائید و حمایت حاصل تھی اور اقبال اس کام کو سیاست سے بھی مقدم سمجھنے لگے تھے ۔ ڈاکٹر بشیر حسین نے حیات اقبال کے اس اچھوتے موضوع کو بڑی دقت نظر اور شرح و تفصیل سے پیش کیا ہے ۔ اسی زمانے کا سیاسی بحران جس میں مسلم زعما خصوصاً انتشار و اختلاف میں مبتلا ہوئے احمد سعید کے مضمون ''اقبال اور قائداعظم ۔ ۔ ۔ ایک مختصر سیاسی جائزہ'' کا موضوع بنا ہے ۔ مگر یہ موضوع اتنا وسیع اور پیچیدہ ہے کہ ایک مختصر مضمون میں ان جزئیات کو سمیٹنا مشکل ہے ۔ یہ مضمون پورے منظر میں صرف ایک رخ کی نشاندھی کرتا ہے ۔ بہر کیف ۱۹۱۶ء کے لکھنؤ پیکٹ سے لے کر نہرو رپورٹ تک کی تاریخی صورت حال میں حیات ملی کا یہ ایک اہم پہلو ہے جس میں اتمام حجت کے تمام مراحل طے ہوئے اور پاکستان کا قیام ناگزیر ہو گیا ۔ ایم یعقوب ہاشمی کا مضمون ''اقبال ۔ ۔ ۔ اتحاد عالم اسلامی کا نقیب'' ایک اہم موضوع پر پرخلوص جذبات کا آئینہ دار ہے ۔ مگر ضرورت ہے کہ اس مسئلے پر معروضی انداز اختیار کر کے حقائق کا تجزیہ کیا جائے جس کی اس مضمون میں کمی محسوس ہوتی ہے ۔

پروفیسر آل احمد سرور کا مضمون ''جدید کاری کے متعلق اقبال کا رویہ'' ان کی اس گہری دلچسپی ، عقیدت اور مطالعے کا نتیجہ ہے جو اقبال سے انہیں زمانۂ طالب علمی سے رہی ۔ سرور صاحب کو اقبال سے مراسلت کا شرف بھی حاصل رہا ۔ پروفیسر آل احمد سرور اردو کے معروف نقاد ہیں جو عقلی رویے کے علمبردار رہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں مگر ان کی تنقید میں بالعموم تاثرات کا غلبہ ہوتا ہے ۔ مگر یہ مضمون ان کی سابقہ تحریروں کی بہ نسبت زیادہ ٹھوس ، حقیقت پسندانہ اور تجزیاتی ہے ۔ انہوں نے اپنے اس عالمانہ مضمون میں جدیدیت (Modernity) اور جدت پرستی (Modernism) کے فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے جدید زمانے کے عمل (Modernization) کے لیے جدید کاری کی اصطلاح وضع کی ہے اور اقبال کی تنقید مغرب اور عصر حاضر کے تقاضوں کی روشنی میں اس پیغام عمل کا جائزہ لیا ہے جو نہ مشرق سے بیزاری کا سبق دیتا ہے اور نہ مغرب سے حذر کو پسند کرتا ہے، بلکہ فطرت کے تقاضوں کے مطابق دور حاضر کے انسان کی شب تاریک کو سحر میں بدلنے کا آرزو مند ہے ۔ سرور صاحب لکھتے ہیں :

''جدید کاری کی روح زمانے کی ضروریات کے مطابق تبدیلیوں کے عمل میں ہے ۔ لمحے میں نہیں بلکہ وقت کے احساس میں ہے ۔ کیونکہ کسی کی خاطر زمانہ 'مئے شبانہ' بچا کر نہیں رکھتا ۔ لمحہ ، ہم عصر وقت Contemporary کی نمائندگی کرتا ہے ۔ اس لمحے میں اسیر ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وقت کے متعدد نقطوں کو ہم نظر انداز کر دیں ۔ 'آج' ایک زندان بھی ہو سکتا ہے ۔ اس لیے ماضی کا عرفان ہمیں ایک ایسا تناظر دیتا ہے جو لمحے کے زنداں سے ہمیں آزاد کر سکتا ہے ، اور ان گزرے ہوئے لمحات سے ہمیں آشنا کراتا ہے جن میں کچھ برگزیدہ ہستیوں نے بھرپور زندگی گزاری تھی ۔ اس لیے موجودہ داخلی ہم عصریت سے بلند ہونے اور ایک ایسا شعور پیدا کرنے کے لیے جو ماضی کا علم و عرفان رکھتا ہے ، ہمیں ان تخیلی اور ذہنی کمالات پر نظر رکھنی ہوگی جو ادب عالیہ اور فن تعمیر کے نادر نمونوں میں ملتے ہیں ۔ اقبال کی ''مسجد قرطبہ'' اسی وجہ سے ایک شاہکار ہے کہ اس میں مسجد ایک تہذیب کے کاروان کو ہماری نظر کے سامنے لے آتی ہے اور حسن کاری کو ماضی ، حال ، مستقبل کا ایک شاندار سلسلہ بنا دیتی ہے ۔''

یہ تجزیہ بڑا بصیرت افروز ہے ۔ مگر ''سوشلزم کے انسانی چہرے میں اسلامی خط و خال'' کی تلاش جس پر آ کر اس مضمون کی تان ٹوٹتی ہے اقبال کے مجموعی فکر اور اجتماعی نظریے سے کوئی علاقہ نہیں رکھتی ۔ سرور صاحب کا یہ مضمون مطالعہ اقبال کے سلسلے میں اس مجموعے کا بہت اہم مضمون ہے مگر بعض امور میں تنقیح طلب ہے ۔

''پاکستان ۔ ۔ ۔ اقبال کے تصور خودی کی روشنی میں'' محمد احمد خان کا مضمون اس مجموعے کا آخری مضمون ہے اور اگر میں اسے اس گلدستے کا گل سرسبد کہوں تو مضائقے کی بات نہ ہوگی ۔ اس فکرانگیز مضمون میں اقبال کے تصور خودی

© rasailojaraid.com